

ڈاکٹر شبیر احمد قادری
شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی۔
فیصل آباد

اُردو تذکروں میں ذکر میر

The greatness of Mir Taqi Mir's poetic excellence has been recognized in every era even old Tazbaran have a merit ion of it. Tazbaran have considerable opinion about Mir. This article explores the greatness of Mir's tradition under Tazbaraz.

اُردو میں بہت سے سخن ور پیدا ہوئے مگر جو مرتبہ میر تقی میر کا مقدر بنا، وہ کسی اور شاعر کے حصے میں نہ آ سکا۔ وہ شاعر بھی، لوگ جنہیں بڑا مانتے ہیں میر کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔ ان شاعروں نے اپنے لیے الگ رستوں کا انتخاب کیا، ان میں سے بعض منزل آشنا ہوئے تاہم وہ میر کی گرفت سے باہر نہیں نکل پائے۔ وہ سودا ہوں یا مصحفی، ذوق ہوں یا غالب، اکبر الہ آبادی ہوں یا حسرت موہانی، ابن انشا ہوں یا میراجی، ناصر کاظمی ہوں یا حافظ لدھیانوی۔۔۔ ہر شاعر میر کی شان میں رطب اللسان ہے۔ کوئی میر کے شیوہ گفتار کا قلیل ہے تو کوئی ان کے انداز سے ہم آہنگ ہونے کی حسرت دل میں لیے کا سخن میں مصروف رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود میر تقی میر کو بھی اپنی انفرادیت اور عظمت کا احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیٰ ان کے ہاں آ کر کھلتی نہیں بلکہ چلتی ہے۔ کلیات میر میں متعدد شعر ملتے ہیں جو تعلیٰ سے بڑھ کر ”حسن تعلیٰ“ کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں:

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسے بھی نہیں ایہام بھی نہیں

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

میر کو محض غم کا شاعر کہہ کر آگے گزر جانا، گویا اپنی کم مانگی اور کوتاہ نظری کا اعلان کرنا ہے۔ بلاشبہ وہ غم کے شاعر تھے بلکہ مجھے تو ان کے شعروں میں بھی نمی سی محسوس ہوتی ہے۔ یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ میر کا غم ان کی ذات سے طلوع ہوا ہے تو بھی میر نے ہنرمندی سے اسے ہر اس شخص کی واردات بنا دیا ہے جسے میر جیسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ گویا میر کی شناخت کا یہ پہلو آفاقی صداقتوں کی ترجمانی کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ میر کثیر الجہات شاعر تھے۔ میر تقی میر کے جس انداز اور طرز احساس نے معاصر و مابعد شعرا اور ناقدین کو زلف سخن کا اسیر بنا رکھا ہے، اس کے اجزائے ترکیبی، ڈاکٹر سید عبداللہ کے نزدیک خلوص اور صداقت، معمولیات سے دلچسپی، لہجہ عام اور بول چال کا انداز، پیرایہ ہائے ادا کی گیرائی اور مانوسیت، صوتی محاسن اور مصوری کا کمال ہیں^(۱)۔

اُردو تذکروں کے ناقدین و شارحین میں ڈاکٹر سید عبداللہ بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کی کتاب شعرائے اُردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر کی عمدہ مثال ہے اور اُردو تذکرہ نگاری کی تفہیم و تعبیر کے ذیل میں کلیدی اور اساسی حیثیت کی حامل ہے۔ تذکروں اور تذکرہ نگاروں کے بارے میں ان کی آرا بڑی چمکی تلی ہوتی ہیں۔ ان کی میر پسندی 'نکات اشعرا' کا جائزہ لیتے ہوئے بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، میر کے تنقیدی افکار (لجے) کو پوسٹ مارٹم اور قاتلانہ تنقید سے موسوم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میر نے ارزاں اور کم پایہ ادب کو پڑھنے سے روک دیا۔ اس کے زیر اثر بڑے بڑے شعرا کو اپنی شاعری پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی اور میر جیسے نقادوں کے جائزہ سے پہلے انھوں نے خود اپنے دیوانوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس میں شک نہیں کہ نکات میں ادبی گروہ بندی اور عصبیت کے آثار بھی ملتے ہیں، لیکن نکات نے تنقیدی ذوق کی تربیت میں جو نمایاں حصہ لیا، اس نے ادب اور شاعری کو معتد بہ فائدہ پہنچایا۔^(۲) ڈاکٹر سید عبداللہ کی یہ رائے اس اعتبار سے درست معلوم ہوتی ہے کہ میر تقی میر کے اس تنقیدی رجحان کی پیروی، بعد کے تذکرہ نگاروں کے ہاں بھی ملتی ہے۔ میر شاعری کی طرح تذکرہ نگاری میں بھی اپنی دھاک بٹھانے میں کامیاب رہے اور اُردو شاعری پر تنقید کی کبھی نہ بچنے والی شمع بھی انھوں نے ہی روشن کی۔ وہ اعلیٰ پائے کے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بے لاگ نقاد کے طور پر بھی سامنے آئے۔ دوست تو دوست، مخالفین بھی ان کی تحریروں سے اثرات قبول کیے بغیر نہ رہ سکے۔ بعض ناقدین تذکروں میں تنقید کی موجودگی کے سرے سے ہی منکر ہیں۔ تاہم یہ رائے کلیتاً صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی کے نزدیک اُردو تذکروں میں بیان کیے گئے تنقیدی خیالات کی صحت اور عدم صحت کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُردو شاعروں اور ادیبوں میں سرے سے تنقیدی شعور ہی موجود نہیں، درست نہ ہوگا۔^(۳)

اُردو تذکرہ نگاروں میں سب سے سلیھا ہوا تنقیدی شعور میر تقی میر کا تھا۔ جنھوں نے شاعروں پر تنقید کرتے ہوئے لگی لپٹی سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے دل کی بات نوکِ قلم تک لانا ہی مناسب خیال کیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول: نکات اشعرا میں توقع کے خلاف تنقیدی مواد کافی سے زیادہ موجود ہے اور تنقید سخن کے علاوہ مختلف اشخاص کی سیرت کے متعلق اس قدر برہنہ اور واشگاف رائیں پائی جاتی ہیں جن کو پڑھ کر واقعی حیرت ہوتی ہے۔۔۔ ایک تو یوں بھی یہ بات زمانے کی فضا کے خلاف تھی، پھر یہ بات اور بھی مستزاد ہوئی کہ معاصرین پر رائے زنی کرتے ہوئے میر نے اُن کی دل شکنی کی مطلق پروا نہیں کی۔^(۴)

تذکرہ نگاروں نے میر کے اندازِ تذکرہ نگاری کو بھی اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور ان کی عیب چینی کی بابت ملاحظہ جلا رِوِ عمل دیکھنے میں آتا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے تذکرہ 'نکات اشعرا' میں میر تقی میر کے آٹھ تنقیدی اصولوں کا سراغ لگایا ہے جن کی مدد سے وہ کسی فن پارے کی جانچ پرکھ کرتے تھے۔

m ربطِ کلام m خوش فکری m تلاشِ لفظ تازہ m صفائیِ گفتگو m ایجادِ مضامین m تہہ داری
m دردمندی m طرزِ خاص^(۵)

کچھ اسی نوع کی خصوصیات مسیح الزماں نے بھی بیان کی ہیں جن سے میر کے نظریہ نقد شعر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مسیح الزماں نے میر کے نظریہ شاعری کو بارہ شقوں میں بیان کرتے ہوئے ہر شق کی مثال کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

”نکات اشعرا“ میں میر کی آرا کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ اتنی صحیح ہیں کہ میر کے ذوق اور سخن شناسی کے ساتھ ساتھ ان کے استادانہ کمال کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے۔ نکات کی انھیں خصوصیات نے اس عہد کے تنقیدی ذوق کی تربیت میں بہت مدد دی اور آنے والے تذکروں پر ایک گہرا نقش چھوڑا۔^(۶)

سید فتح علی حسینی کا ”تذکرہ ریختہ گویاں“ ۱۱۶۶ھ میں مکمل ہوا۔ یہ تذکرہ معاصر تذکروں کے ردِ عمل میں لکھا گیا۔ جن میں ظاہر ہے، نکات اشعرا بھی شامل رہا ہوگا جس کا سن تالیف ۱۱۶۵ھ ہے۔ حسینی کا یہ تذکرہ میری دسترس میں نہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب میں حسینی کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بقول فرمان فتح پوری وہ اپنے معاصرین کی روش تذکرہ نگاری سے مطمئن نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان تذکرہ نگاروں نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ صرف اپنے احباب کو سراہا ہے، دوسروں کو یا تو نظر انداز کیا ہے یا خردہ گیری و عیب جوئی کے ذریعے انھیں کم رتبہ ظاہر کیا ہے۔^(۷)

فتح علی حسینی کی تحریر ملاحظہ ہو:

”از ملاحظہ تذکرہ ہائے اخوان زمان کہ مشتمل بر اساس ریختہ گویان عہد محرم ر ساخته اند و علت غائی تالیف شان خردہ گیری ہمسران و تم ظریفی بامعاصرانت در اظہار مافی انفس الامر بہ ایجاز پرداختہ بلکہ از جہت عدم اعتنا و قلت تنبیہ کرد اکثر ناذک خیالان رنگین نگار را از قلم انداختہ معہذا در تصحیح اخبار و تحقیق احوال اعزہ اغلاط صریح بکار بردہ و خطاہای نمایان کردہ اند بخاطر فاتر ریخت کہ تذکرہ مرقوم سازد بے رودیدہ گی از روئے انصاف خالیان عن الاعساف و اسامی نامی شعرار بہ ترتیب حروف تہجی بنویسد تا حاضران را تذکارے و غائبان را یادگارے بود۔“^(۸)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے فتح علی حسینی کی اس رائے کا مفصل تجزیہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ وہ کون سے تذکرے تھے جنھیں دیکھ کر فتح علی حسینی گردیزی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شعرا کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے اور اس ناانصافی کا ازالہ ہونا چاہیے۔ گردیزی نے واضح طور پر اپنے تذکرے میں کہیں اس بات کا سراغ نہیں دیا لیکن ان کے تذکرے کا دیباچہ، خاتمہ، شعرا کے بیشتر تراجم اور تذکرہ نگاری کی روش بتاتی ہے کہ ان کا اشارہ میر تقی میر کے ”نکات اشعرا“ کی طرف ہے جو کہ ۱۱۶۵ھ میں یعنی ان کے تذکرے سے ایک سال پہلے دہلی ہی میں ہر طرح مکمل ہو چکا تھا۔ گردیزی نے میر کے نکات اشعرا ہی کو سامنے رکھ کر اس کی تقلید اور جواب میں اپنا تذکرہ لکھا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنے تذکرے کا زیادہ مواد اسی تذکرے سے لیا ہے اور تجاہل عارفانہ سے کام لے کر میر کے تذکرے کی طرف سے انجان بن گئے ہیں۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے تذکرہ ریختہ گویاں سے پانچ شہادتیں پیش کی ہیں جن کا مقصد حسینی کو میر کا مقلد ثابت کرتا ہے۔ یہ شہادتیں فی الواقع ایسی ہیں جن کی بنیاد پر صاف پتا چلتا ہے کہ فتح علی حسینی نے جان بوجھ کر نکات اشعرا کا ذکر نہیں کیا اور نہ میر تقی میر کا نام لیا ہے۔ شہادتیں یہ ہیں:

۱۔ میر نے نکات اشعرا میں ”ریختہ“ کی تعریف اور اقسام کے سلسلے میں جو باتیں بیان کی تھیں، گردیزی نے بالکل وہی باتیں الفاظ کی بہت معمولی تبدیلی کے ساتھ دہرا دی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ میر نے ریختہ کی تفصیل تذکرے کے آخر میں دی تھی، گردیزی اسے اپنے دیباچے میں لے آئے ہیں۔

۲۔ گردیزی نے میر تقی میر پر طعن و تعریض کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ چنانچہ کم رتبہ ظاہر کرنے کے لیے

اُن کے حالات میں صرف تین سطریں لکھی ہیں اور انتخاب کلام میں صرف ایک شعر دیا ہے۔ وہ بھی بہت معمولی شعر۔

۳۔ نکات اشعرا میں جن شعرا پر سخت تنقید کی گئی تھی تذکرہ ریختہ گویاں میں ان کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ مثال میں سجاد، حشمت، یقین اور خاکسار کے ترجمے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ میر نے ان شاعروں کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا، گردیزی نے میر کے انتقام میں اُن کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے۔

۴۔ میر نے اپنے تذکرے میں ۱۰۳ شاعروں کا ذکر کیا ہے، گردیزی کے یہاں صرف ۹۷ شعرا کے تراجم ہیں لیکن ان میں سے بیشتر وہی ہیں جو نکات اشعرا میں مذکور ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں گردیزی کے تراجم اور میر کے تراجم کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھیے تو صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا ہے۔

۵۔ میر اور گردیزی دونوں نے تذکرے کے اختتام پر ایک ہی طرح کی عبارتیں لکھی ہیں۔ تھمیلے کی تاریخ لکھنے کا ڈھنگ بھی یکساں ہے اور میر کی تقلید کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔“ (۹)

فتح علی حسینی گردیزی نے ”تذکرہ ریختہ گویاں“ میں میر تقی میر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

”سخن سنجے بے نظیر میر محمد تقی میر تخلص زاد گاہش اکبر آباد است و طبعش معنی ایجادش استعدادش بر کردہ شعلہ ادراک سراج الدین علی خان آرزو است فقیر سیر اشعارش نمودہ و چشمے آب دادہ تھا کہ در آن تلاش معنی بے گانہ کردہ است و حرف آشنا را بروئے کار آوردہ۔“ (۱۰)

گردیزی اور قائم کی جانب سے تذکرہ میر کے تتبع کا ذکر ڈاکٹر سید عبداللہ بھی کر چکے ہیں۔ ان کی رائے میں فن تذکرہ نویسی میں جو اسلوب میر نے قائم کیا بعد میں آنے والوں نے اس کا تتبع کرنے کی کوشش کی۔ ان کے معاصرین مثلاً گردیزی اور قائم نے نکات کی ترکیبیں اور عبارتیں اُڑائیں اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے لکھنے والے ”نکات اشعرا“ کے رُعب اور اثر سے حد درجہ مغلوب تھے۔“ (۱۱)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے نو تذکروں کی فہرست دی ہے جو نکات اشعرا سے متاثر ہوئے ان میں تذکرہ ریختہ گویاں (فتح علی حسینی گردیزی، مخزن نکات (قائم چاند پوری) تذکرہ حیرت، تذکرہ شورش (سید غلام حسین عرف بھینا) تذکرہ خاکسار یا معشوق چل سالہ (محمد یار عرف کلن یا کلو) چمنستان شعرا (شفیق اورنگ آبادی) مجموعہ نغز (قاسم) تذکرہ میر حسن (میر حسن) تذکرہ آب حیات (مولانا محمد حسین آزاد) (۱۲)

میر تقی میر کے قریبی عہد سے تعلق رکھنے والے تذکرہ نگاروں میں ایک اہم نام قائم چاند پوری کا بھی ہے۔ قائم، مرزا محمد رفیع سودا کے حلقہ ارادت کے نمایاں رکن تھے۔ میر تقی میر اور ان کے معاصر تذکرہ نگاروں میں سب سے زیادہ زوردار بحث میر اور قائم ہی کی ہے۔ میر نے تو اردو کا پہلا تذکرہ لکھنے کا دعویٰ کیا ہی تھا۔ قائم چاند پوری بھی اس باب میں پیچھے نہیں رہے۔ ”مخزن نکات“ میں دیباچہ مصنف میں حمد و نعت اور مناقب صحابہ کے بعد اپنے اور اپنے تذکرے کی بابت قائم رقم طراز ہیں:

”برضمیر مہر تویر سخن طراز ان ہندوستان و طوطیان شکر شکن این بوستان مخفی و محتجب نمائند کہ تا الان در ذکر و بیان اشعار و احوال شعرا ریختہ کتاب تصنیف گردیدہ و تا این زمان ہیچ انسان از ما جزای شوق افزای سخن و ران این فن سطر ہی بہ

تالیف نرسیدہ۔ بنا بر این فقیر مؤلف محمد قیام الدین احمد بعد از کوشش تمام وسعی مالا کلام دواوین این اعزہ فراہم آوارده پارہ ابیات از ہر کدام بر سبیل یادگار در ذیل این بیاض کہ مؤرخ موسوم بہ مخزن نکات، است بہ قید قلم در آورده۔“ (۱۳)

قائم چاند پوری نے ”مخزن نکات“ میں اپنا ذکر بھی کیا ہے۔ اس جگہ انھوں نے اپنی تذکرہ نگاری کے بنیادی محرک کے بارے میں بتایا ہے:

”فرصت را غنیمت انگاشته مصمم ساخت کہ لثتی از روز نامچہ اعمال و برخی از جریدہ سخن و ران متقدم و حال بقید قلم در آورده در حالت جدائی انیس تنہائی ساز، بالجلملہ بعد جد بسیار و کد پیشتر ترقیم ابیات و تصحیح حالات ہر کدام میسر گردید و این طلیسان ہزار مردارید بدیں ہیئت مجموعی در نظر باب بصر جلوہ گری بخشید۔“ (۱۴)

بعض شواہد کی روشنی میں اس بات کو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ قائم نے بیاض کی تیاری کا آغاز میر سے پہلے کر دیا تھا مگر اس حقیقت کو بیشتر ناقدین مانتے ہیں کہ دستیاب تذکروں میں ”نکات الشعرا“ ہی کو اولیت حاصل ہے۔ مخزن نکات ایک تاریخی نام ہے۔ اس کی صراحت خود قائم چاند پوری نے اپنے ایک ہم عصر شاعر خواجہ اکرم کے ترجمے میں کردی ہے۔ خواجہ اکرم کو قائم نے مردی نیکو سیرت قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ:

”چوں اورا برنوشتن این بیاض اطلاعی دست داد یک قطعہ متضمن بر تاریخ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد موزوں نموده، مع دیگر ابیات خود پیش فقیر آورد، و از انجا کہ مادہ تاریخ مناسب نام کتاب بود، بناہ علیہ بہ ہاں اسم موسوم نمود، قطعہ مذکور:

قائم رکھے ہمیشہ خدا تیرے نام کو
کرنے سے ذکر خیر کے ہے موجب نجات
تاریخ اس کتاب کی میں نے کی جب تلاش
پیر خرد نے مجھ سے کہا ”مخزن نکات“ (۱۵)

میر تقی میر کے تذکرہ ”نکات الشعرا“ کا سال تصنیف ۱۱۶۵ھ بتایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحقیق کا حاصل بھی یہی ہے۔ انھوں نے ”نکات الشعرا اور مخزن نکات“ کے درمیان تین اور تذکروں کو جگہ دی ہے:

۱۔ گلشن گفتار: از حمید اورنگ آبادی، مرقومہ ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۲ء

۲۔ تحفۃ الشعر: از افضل بیگ قاتشال، مرقومہ ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۲ء

۳۔ تذکرہ ریختہ گویاں: از فتح علی حسینی، مرقومہ ۱۱۶۶ھ/ ۱۷۵۲ء (۱۶)

اس اعتبار سے ”مخزن نکات“ پانچویں نمبر پر ہے، جہاں تک ”مخزن نکات“ میں ذکر میر کا معاملہ ہے تو یہ ہے تو مختصر مگر عصری شہادت کی بنا پر اس کی اہمیت بھی اتنی ہی زیادہ ہے۔ قائم لکھتے ہیں:

”معجز طراز کرامت تحریر، محمد تقی متخلص بہ میر؛ شاعر درست، انواع شعر را بہ شستگی و رفتگی سرانجام دہد آبائش از نجای دار الخلافت اکبر آباد اند، چوں بہ خان مغفرت نشان شیخ سراج الدین علی خاں آرزو نسبت خواہر زادگی داشت، بعد وفات والد بزرگوار بہ ہمیں مناسبت وارد شاہ جہاں آباد گردیدہ، مدتی بہ خدمت ایشاں استفادہ آگاہی نموده اسم و رسی بہم

رسانیدہ، چوں قریب بندہ خانہ تشریف دارد، اکثر اتفاق ملاقات می افتد، حق تعالیٰ سلامت باکرامت دارد۔“ (۱۷)

قائم چاند پوری نے اپنی رائے میں میر کی تذکرہ نگاری کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا۔

”نکات اشعرا“ کے منظر عام پر آنے کے بعد، دوسرے شعرا کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ تذکرہ لکھیں۔ ان میں ایک شاعر کچھی نرائن شفیق بھی تھے۔ انھوں نے ”چمنستان اشعرا“ کے نام سے تذکرہ لکھا جو فارسی زبان میں ہے۔ اپنی تذکرہ نگاری کا محرک وہ میر تقی میر کے تذکرہ ”نکات اشعرا“ اور فتح علی حسینی کے ”تذکرہ ریختہ گویاں“ کو بتاتے ہیں۔ وہ ان تذکروں سے نہ صرف متاثر معلوم ہوتے ہیں بلکہ ”چمنستان اشعرا“ کی تیاری میں ہر دو تذکروں سے اخذ و استنباط کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ شفیق رقم طراز ہیں:

”درین اثنا تذکرہ نکات اشعرا من تصنیف میر محمد تقی میر و تذکرہ فتح علی خاں تازہ از ہندوستان نزول نموده شورے در عالم انداخت و جہانے را در اشتیاق اشعار ہند کہ ہم رسیدن آن اہل دکن را خیلہ دشوار است نہ وبالا ساخت، لہذا بخاطر فاطر و فکر ناقص گزشت کہ خود ہم این ہمہ اشعار ہر دو تذکرہ گرفتہ و دیگر لالی ایک جامع ساختہ بطور سفینہ کہ انیس یکتائی و ہدم تہائی شود نقش باید بست۔“ (۱۸)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے چمنستان اشعرا کو متقدمین شعرا کے سلسلے میں ایک اہم ماخذ قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ اس میں متعدد ایسے شاعر مذکور ہیں جن کے متعلق معلومات کا ذریعہ اس تذکرے کے سوا ہمارے پاس کوئی نہیں ہے۔ شفیق ایک جانب میر سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو دوسری جانب بے لاگ رائے دینے کا حق  رکھتے ہوئے۔ انعام اللہ یقین کے بارے میں میر تقی میر کی رائے کو رد کرتے ہیں۔ بقول فرمان فتح پوری میر نے اپنے تذکرے میں یقین پر جو الزامات لگائے تھے۔ شفیق ان پر برہم نظر آتے ہیں۔ انھوں نے یقین کو سارے متقدمین و معاصرین سے بلند مرتبہ شاعر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کچھی نرائن شفیق نے انعام اللہ یقین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

”شہنشاہ قلم روشن دانی و یوسف کنعان معانی است، طوطی شکر مقال از گلستان ہند برخواستہ کہ ہاں عندلیب ہزار داستان سخن بہ تشابہ گراید۔“ (۲۰)

شفیق کی محولہ بالا رائے کو ان شعرا کے فکر و فن کے استحسان کے سلسلے کی ایک کڑی قرار دیا جاسکتا ہے جن کے سنگ سخن پر میر تقی میر نے اپنے تیشہ نقد سے ضرب لگائی تھی۔ کچھی نرائن شفیق میر تقی میر کے ادبی قد کاٹھ سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ میر کو خراج تحسین کیے بغیر نہیں رہ پائے۔

”میر میدان سخن وری و شہنشاہ اقلیم معنی پروری است، اھغہ آفتاب کمالش در منبع الفاظ بہ نہایت درخشانی پیدا و لمحہ مہتاب صحنیش بعبارت بکمال تابانی ہوید، شہپر کلکش بہ تسخیری پردازد و شہباز طبعش بچنگ فکر رسابہ خجیر، مضامین رنگیں می سازد۔ ہزاراں معنی بیگانہ غلام جنابش پر فرحت می دہد کمیا بش نقطہ طبع زادش چوں در زرخ عزیز و محترم و حروف رقم زد قلمش مثال زر سفید رانج عالم۔ حقا کہ نازک خیالی سرتاج شاعران ایں عصر۔“ (۲۱)

میر کو ”سرتاج شاعران“ قرار دیا جانا۔ اس امر کی جانب واضح اشارہ ہے کہ میر کے معاصر اور مابعد شعرا باوجود اختلافات کے میر کی شاعرانہ حیثیت کے قردان تھے۔ ”نکات اشعرا“ میں میر کا انداز نقد و نظر بھی تذکروں میں ان کے اچھے برے ذکر کو تسلسل دیتا ہے۔ میر نے جو کچھ کہنا چاہا، کہہ ڈالا۔ اب یہ ان کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے تذکرہ

نگاروں کا حق تھا کہ وہ میر کی آرا کو کس انداز سے جانچتے پرکھتے ہیں۔
 قدرت اللہ شوق کا تذکرہ ”طبقات الشعراء“ اپنی گوناگوں خوبیوں کی بدولت ایک اہم تذکرہ خیال کیا جاتا ہے۔
 تذکرے کو چار طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شوق، میر کو اسنادیگانہ قرار دیتے ہوئے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے
 ہیں:

”شاعر پر مغزو ہمہ داں، استاد ہم چشماں، اکثر سخن طرازاں و معنی پایاں محاورات و رزمیات ایں فن از
 ایشان اخذ نموده اند۔ از مقتضات زمانہ و استاد یگانہ، شہ سوار سمند عرصہ فصاحت، فارس مضمار
 بلاغت، مجمع قابلیت و ہنر صاحب طبع و خوش فکر، سرآمد مستعدان عصر، محاورہ دان و متین، متلاشی
 مضامین رنگین، متجسس الفاظ چرب و شیریں، ہر چند سادہ گو است، اما در سادگی، تہہ دار و پرکاری او
 ظاہر و نمودار است۔۔“ (۲۲)

میر تقی میر نے جن شعرا کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان میں سے انعام اللہ یقین اس اعتبار سے اہم ہیں کہ ان کا دفاع
 کرنے والے اچھے خاصے تذکرہ نگار موجود ہیں۔ قدرت اللہ شوق بھی یقین کا دفاع کرنے والوں میں شامل ہیں۔ میر تقی
 میر کا نام لیے بغیر لکھتے ہیں کہ:

”بعضے شعرا گمان بردہ اند کہ یقین شعر گفتن نمی دانست میرزا مظہر اورا شعر گفتہ می داد، محض خطاست،
 فاما در اشعارش اکثر اصلاح استاد بیشتر است، چیزے مضائقہ نہ دارد، مشق سخن او بہ پایہ استاد
 رسیدہ بود۔“ (۲۳)

شوق نے یقین کے چند اشعار یہ کہہ کر نقل کیے ہیں کہ ”از سخنان یقینی اوست“ (۲۴) پروفیسر غلام احمد فاروقی کا کہنا
 ہے کہ شوق نے اس تذکرے میں ایسی باتیں بہت کم لکھی ہیں جنہیں کھینچ تان کر ”تنقید“ یا تبصرہ کہا جاسکے۔ زیادہ تر
 تعریفی کلمات ہیں۔ البتہ کسی شعر پر میر کی تقلید میں کہیں کوئی فقرہ چست کر دیتے ہیں۔“ (۲۵) جہاں تک فقرہ چست
 کرنے والا معاملہ ہے تو شوق بعض شعروں میں خامیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے یا کوئی لطیف پہلو نمایاں کرنے کی
 غرض سے ایسا کرتے ہیں۔ اُردو میں اصلاح سخن کی روایت میں شوق کی یہ اصلاحیں بڑی اہم اور قابل توجہ ہیں۔ (۲۶)
 میر حسن، میر تقی میر کے ہم عصر تھے۔ دونوں نے اپنے تذکروں میں ایک دوسرے کا ذکر کیا ہے۔ میر حسن نے اپنے
 عہد کے تینوں نمائندہ شعرا خواجہ میر درد، میرزا محمد رفیع سودا اور میر تقی میر سے اثر پذیری کا اعتراف کیا ہے۔ میر حسن کے
 الفاظ ملاحظہ ہوں:

”اصلاح سخن از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ ام لیکن طرز اوشان از من کما حقہ، سرانجام نہ بافت بر قدم
 دیگر بزرگان مثل خواجہ میر درد و میرزا رفیع سودا و میر تقی میر پیروی نمودم۔۔“ (۲۷)
 میر حسن نے میر تقی میر کی نثر کو روشن چراغ اور شاعر کو ایک گلشن قرار دیا ہے۔ مزید کہتے ہیں:
 ”شعرش چوں دُر خوش آب و انداز سخنش بے حساب صیقل، ذکائے رنگ و زدائے آئینہ خورشید،
 پیش ضیاء اوروئے رخشان ماہ سفید“ (۲۸)

ابوالحسن امیر الدین احمد امرا اللہ نے اپنے ”تذکرہ مسرت افزا“ کا سبب تالیف میر کے ”نکات الشعراء“ کو بتایا ہے۔ میر

کے بارے میں ابوالحسن کی عبارت ملاحظہ ہوں:

”نکات اشعرا“ کی تالیف ہے۔ اس میں انھوں نے عجیب طرح سے ریختہ گو شعرا کے کلام پر نکتہ چینی کی ہے۔ جس کا بھی ذکر کیا ہے، حقارت و بے دلی کے ساتھ کیا ہے اور ان کے بے رتبہ و ناپسندیدہ اشعار چُن چُن کر لکھے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ”مسرت افزا“ کی تالیف کا سبب یہی تذکرہ تھا۔ میں نے نکتہ چینوں اور حاسدوں کے برخلاف ہر ایک کے صحیح حالات لکھے ہیں۔“ (۲۹)

گویا ”نکات اشعرا“ نے معاصر و مابعد شعرا میں تذکرہ نویسی کا ذوق پیدا کیا یہ الگ بات کہ ان تذکروں کا اصل جذبہ محرکہ کیا تھا۔ ”تذکرہ مسرت افزا“ جیسا کہ مؤلف کے مذکورہ بالا الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ”نکات اشعرا“ میں ریختہ گو شعرا کے کلام پر نکتہ چینی کا ردِ عمل ہے۔

غلام ہمدانی مصحفی، میر کو فنِ شعر میں مردِ صاحبِ کمال قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں میر کی اُردو شاعری دوسرے شعرا کے مقابلے میں پاکیزگی کی مظہر ہے۔ مصحفی نے ”عقدِ ثریا“ اور ”تذکرہ ہندی“ دونوں میں میر کا ذکر کیا ہے۔ ”عقدِ ثریا“ کی عبارت ملاحظہ ہو:

”درفن شعر ریختہ مرد صاحب کمال است کہ مثل او از خاک ہند دیگرے سریر نیا درودہ۔ چرخ پیر را سالہائے دراز چرخ باید زد کہ ہچو شخصے را بروئے کار آرد۔ شعر ہندی را نسبت بدیگر شعرائے ریختہ گویاں بہ پاکیزگی و صفا گفتہ کہ فارسی گویاں را از رشک ریختہ اش خون در دل افتادہ بلکہ اکثر اشخاصِ موزوں طبع کہ ریختہ اش شنیدہ و مزہٴ ایں زباں از زباں اُو دریافت کردہ، فارسی گوئی را بر طاق بلند گزاشتند و توجہ بر ریختہ ریختہ اند در عہدِ فردوس آرام گاہ اکثر ارکان پایہٴ تخت و کسانے کہ نسبت بچُن داشتند اُو را تعظیم و توقیر بمراتب بہتر از دیگران میکردند۔“ (۳۰)

آگے چل مصحفی لکھتے ہیں کہ:

”شعر ریختہ اش از کہ تاملہ بر زبان دارند و صادر دارد از دیارے بدیارے بطریقِ ارمغان برند۔ و از بسکہ از ابتدائے سخن گفتن نام بر ریختہ گوئی بر آوردہ دعوائے شعر فارسی چنداں ندارد، اگرچہ فارسی کم از ریختہ نمی گوید۔ می گفت کہ دو سال شعلِ ریختہ موقوف کردہ بودم در ایں ایام قریب دو ہزار بیت فارسی صورتِ تدوین یافتہ۔“ (۳۱)

مصحفی نے حاشیے میں میر کے سال وفات، مدفن اور عمر کے علاوہ ناسخ کی ایک تاریخ وفات کا ذکر کیا ہے:

”وفاتش در ۱۲۲۵ھ بتاریخ ۲۰ شعبان المکرم اتفاق افتاد در قہرستان اکھاڑہ بھیم مدفن گردید نو سال عمر یافت، ناسخ تاریخ گفتہ ”واویلا مر دشتہ شاعراں۔“ (۳۲)

دوسری جانب ”تذکرہ ہندی“ میں غلام ہمدانی مصحفی (اپنے فارسی تذکرہ ”عقدِ ثریا“ میں ذکرِ میر کا حوالہ دینے کے بعد) میر کو شخص صاحب کمال قرار دیتے ہیں۔ مصحفی میر و سودا کے موازنے کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

”اکثرے درفنِ ریختہ اورا درپلہ مرزار فوج سودا گرختہ اندواکثر درغزل و مثنوی بہتر از مرزا قیاس می کنند و مرزا را در بجز و قصیدہ برد فضیلت می دهند، غرض ہرچہ ہست استادِ ریختہ بر اُو مسلم است۔“

اگرچہ دیوان فارسی ہم دارد انا در فارسی گویاں شمرده نمی شود، ہمہ ریختہ گویاں ہند سند از کلامش می آرد داد اوریں فن مستثنیٰ میدانند و الحق کہ چنین است۔“ (۳۳)

خوب چند ذکا، میر تقی میر کو فارسی اور اردو کا لاثانی شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ وہ میر کی مختلف اصناف میں دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ ان کی تذکرہ نویسی کے بارے میں بھی بتاتے ہیں۔ خاص طور پر لکھنؤ میں میر کی مصروفیات کے بارے میں سطور دلچسپی کی حامل ہیں:

”شاعرے است غراء، زاد بوش خطہ اکبر آباد دسر آمد شعرائے ہند است غلغلہ سخن در چارواںک ہندوستان جنت نشاں انداختہ و کلامش مدارجے بہم رساند چند دیوان و مثنویات و یک نسخہ تذکرہ مختصر و تصاید و رباعیات و مخمس و مسدس و ہجو و مدح و دیگر تصانیف بے شمار از و بروئے کار آمدہ۔ در لکھنؤ بصیغہ استادی در سرکار فیض آثار نواب وزیر الممالک آصف الدولہ یحییٰ خاں بہادر جنگ بمواحب دو صد روپیہ شرف اختصاص دارد۔ ایوم در نواح لکھنؤ، بحقل ناقص ایں بندہ ہم چواو عدیل شاعر زبردست و سیر مشق، بسیار گو و خوش و شیریں بیان خوش زبان برناخاستہ غرض کہ در تالیف فارسی و علی الخصوص در ریختہ گوئی بالکل لاثانی است، بندہ چشم آشنا نیست الا سخن بہ آشنا۔“ (۳۴)

مرزا علی لطف کا تذکرہ ”گلشن ہند“ اردو زبان میں ہے۔ جسے ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے حیدر بخش حیدری کے تذکرہ گلدستہ حیدری کا ایک جزو قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ مرزا علی لطف کے بجائے حیدر بخش حیدری کا تذکرہ گلشن ہند شعرائے اردو کا پہلا تذکرہ ہے جو فارسی کے بجائے اردو میں لکھا گیا۔ جب کہ مرزا علی لطف کا تذکرہ دراصل گلزار ابراہیم کا ترجمہ ہے۔ اگرچہ انھوں نے اپنی طرف سے بھی اس میں اضافے کیے ہیں۔ مرزا علی لطف، میر تقی میر کے بارے میں لکھتے ہیں:

”میر شیریں مقال میں اور ریختہ گویاں سابق و حال میں نسبت خورشید و ماہ ہے اور فرق سفید و سیاہ ہے۔“ (۳۵)

تذکرہ گلزار ابراہیم کی فارسی عبارت میں مرزا علی لطف نے یوں اضافہ کیا ہے:

”اقسام نظم میں یہ صدر نشیں بارگاہ سخن دانی ہر قسم چکیدہ خامہ معجز نما رکھتا ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ نظم غزل میں یدر بیضا رکھتا ہے۔ قصیدہ تو ختم میرزا رفیع سودا پر ہوا، ہاں طرز مثنوی کی بھی ان کی بہت خوب ہے، خصوصاً دریائے عشق جو ان کی مثنوی ہے۔ اک جہان کو مرغوب ہے۔“ (۳۶)

مرزا علی لطف نے اپنے تذکرے ”گلشن ہند“ میں میر تقی میر کی عظمت فن کا ذکر کرتے ہوئے ناقدی عالم کا گلہ بھی کیا ہے۔ ان کے نزدیک میر جیسے جادو طراز شاعر کی بے وقتی اغنیا اور اہل دنیا کی ناسمجھی کی دلیل ہے:

”ناقدی سے اغنیا کی اور ناسمجھی سے اہل دنیا کی اب باز سخن سازی اس درجہ کا سد ہے اور ہوئے شہرستان معنی طراز اس مرتبہ فاسد، کہ میر سا شاعر، جو کہ سحر کاری سخن میں طلسم ساز ہے خیال کا اور جادو طرازی بیان میں معانی پرداز ہے مقال کا، وہ ناپ شینہ کا محتاج ہے اور بات کوئی نہیں پوچھتا اس کی آج ہے۔“ (۳۷)

”مجموعہ نغز“ حکیم قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرے کی زبان فارسی ہے۔ شامل تذکرہ شعرا کے لیے قاسم نے جو القاب و آداب تحریر کیے ہیں اس سے اُن کے اسلوب کا علم ہوتا ہے۔ قاسم میر کو شاعرِ بے نظیر اور میراقلیم شیریں زبانی کے القاب سے یاد کرتے ہیں:

”محمد تقی میر (شا) عرے است بے (نظیر) و سخن سنجے است خوش تقریر عنذلیب خوش نواے باغ فصاحت بلبل ہزار داستان گلزار بلاغت، شیر پیشہ سخن وری ہز بر صحرائے ہنر گستری، شہسوار عرصہ سخن طرازی فارس مضمار کنتہ پردازی، جادو کلام، معانی آفریں، سحر بیان، صنائع بدائع آگین، میراقلیم شیریں زبانی، دبیر قلم و عذب البیانی، طرز گفتارش بے بدل انداز، اشعارش ضرب المثل۔“ (۳۸)

قدرت اللہ قاسم نے یہاں پہنچ کر میر و میرزا کے موازنے کے بارے میں بھی بعض بنیادی نوعیت کے کلمات ادا کیے ہیں:

”زعم بعضے آں کی سرآمد شعراے فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا در غزل گوئی سخن بوے زسانیدہ اما حق آنست کہ

ع ہر (گلے) رارنگ و بوے دیگر است

مرزا دریائے است بیکراں و میر نہرے است عظیم الشان در معلومات تو (اعرفن) میر را بر مرزا برتری است و در قوت شاعری مرزا را بر میر سروری ملخص کلام دواوین متعددہ مملو ہر گونہ سخن و مثنویات متوفرہ مشحون چندیں صنائع بدائع فن بر صفحہ روزگار ثبت فرمود۔۔۔“ (۳۹)

قدرت اللہ قاسم کی رائے کی توجیہ مولانا محمد حسین آزاد نے یہ پیش کی ہے کہ میر صاحب کی طبیعت قدرتی درد خیز اور دل حسرت انگیز تھا کہ غزل کی جان ہے۔ اس لیے ان کی غزلیں ہی ہیں اور خاص خاص بخوردقوانی میں ہیں۔ مرزا کی طبیعت ہمہ رنگ اور ہمہ گیر، ذہن براق اور زبان مشاق رکھتے تھے۔ تو سن فکراُن کا منہ زور گھوڑے کی طرح جس طرف جاتا تھا، رُک نہ سکتا تھا، کوئی قافیہ اُن کے ہاتھ آئے تغزل کی خصوصیت نہیں رہتی تھی، جس پر برجستہ مضمون میں بندھ جائے باندھ لیتے تھے۔ بے شک ان کی غزلوں کے بھی اکثر شعر چستی اور درستی میں قصیدے کا رنگ دکھاتے ہیں۔^(۴۰) حکیم قدرت اللہ قاسم نے قلندر بخش جرأت کا ذکر کرتے ہوئے میر تقی میر کے حوالے سے ایک واقعہ (بہ عنوان: حکایت) بیان کیا ہے جس کا مقصد میر کی ثخوت کی جانب توجہ دلانا ہے۔ قاسم رقم طراز ہیں:

”گوئند کہ روزے در مجلس شعرا کہ بخانہ مرزا محمد تقی خاں ترقی انعقاد می یافت با بسا (ر) سے از تلامذہ خود رسیدہ غزلہا بر خواند و بعدے مورد تحسین و آفرین (خاص و عام گشت کہ شنیدن) شعر مشکل شد تا ہمہ میدان خود چہ رسد اتفاقاً سخن سنج بے نظیر (محمد تقی میر ہم) در آں مجلس حاضر بود قلندر بخش جرأت جرأت نمودہ خود را بہ پہلو میر رسانیدہ داد خواہ اشعار خود شد میر بعد ازاں کہ دوسہ بار مواسا کرد چوں ابرامش دریں امر از حد درگذشت گفت کہ ہر گاہ ایشاں (بدیں) جدو کدی پرسند ناچار می گوئم و ایں الفاظ ہندی بر زبان (نخو) تو امان و لے گذشت ”کیفیت اس کی یہ ہے کہ تم شعر تو کہہ نہیں جانتے ہو اپنی چو پا چاٹا کہہ لیا کرو!“ (۴۱)

مختلف کتابوں میں میر تقی میر کی بے دماغی یا بددماغی کا ذکر ملتا ہے۔ اس افتاد طبع سے ان کے معاصرین بھی نالاں تھے۔ حکیم قدرت اللہ قاسم نے ”مجموعہ نغز“ میں میر کی نخت کبر و غرور کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ”حدے ندارد۔“ قاسم مزید لکھتے ہیں کہ:

”از نخت و خود سریش چہ برنگارم کہ سینہ قلم حقایق رقم می نگارد بر شعر کسے گر ہمہ اعجاز باشد و کلام شیخ شیراز باشد سر ہم نمی چنانند تا بہ تحسین خود چہ رسد و بہ سخن احدے اگر چہ معجز طرازی بود و گفته اہلی شیرازی گوش ہم فراغی دارد امکان چیست کہ حرف آفرین برز بانس رود در تذکرہ خود ہمہ کس را بہ بدی یاد کردہ در (حق) شاعر شان جلی المختلص بہ ولی نوشتہ کہ وے شاعرے است از شیطان مشہور تر و بسر اے ایں کردار ناہنجار از کمترین شاعر بواجبی یافتہ کہ وے بجوہائے متعددہ او کر (دہ) کہ بعضے از اں بغایت رکیک و پردہ (در) افتادہ و قطع نظر از تذکرہ اثر در نامہ برشتہ نظم کشیدہ کہ در اں خود را اثر ہائے مردم خوار و شعراے دیگر را حیوانات مسکین و خوار قرار دادہ و در جواب آں از ہر سخن ساز صاحب امتیاز بجوے در نہایت رکاکت بروے کار آمدہ۔“ (۴۲)

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفہ، مومن خاں مومن کے شاگرد تھے۔ شیفہ نے میر کی شاعری میں رطب و یابس کی طرف اشارے کیے ہیں۔ میر کی غزلوں اور قصیدوں کا موازنہ کرتے ہوئے وہ غزل گوئی میں میر کے مقام کو بلند تر قرار دیتے ہیں۔ جب کہ قصاید میر کے بارے میں شیفہ کا کہنا ہے کہ وہ ”پست تر“ ہیں۔ تذکرہ ”گلشن بے خار“ میں شیفہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”فتح فصحاء، اشعر شعراء سخن و رعالی مقام۔۔۔ صفحہ خیالش بہ جلوہ ریزی لالہ عذران افکار دل آویز چوں اندیشہ عاشق قطعہ گلزار است و رشہ قلمش در شکلفا نیندن گل ہائے مضامین تازہ ہم رنگ ابرو بہار صد آہ دردناک بہ تاثیر یک مصرع ادنیست و ہزار عزائم تسخیر ہم فسون نیم پیشش، گولہاوت بخشش بہ کام مشتاقاں گوارا تر از شہد لعل شکر بار است و نمک گفتارش بہ مذاق شوریدہ طبعان بامزہ تر از پسہ نیم دلدار، قلمش اگر سحر است سحر حلال است و فلرش اگر از قوت مکتسی است از چہ اعجاز مثال۔“ (۴۳)

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفہ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے۔ میر کی غزل کو بلند تر اور قصیدے کو پست تر کہتے ہیں:

”از اقسام شاعری در قصیدہ فکر خوشے نہ داشتہ، چنداں کہ غزلش بلند مرتبہ تراست، ہم چنین قصیدہ اش پست پایہ تر۔“ (۴۴)

سعادت خاں ناصر کے تذکرہ ”خوش معرکہ زیبا“ پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کے نزدیک میر استاد استادان، امام شرع سخن وراں، عدیم المثال و بے نظیر تھے۔ ناصر نے میر کے حوالے سے ان کے جوش و ہشت اور استیلائے سودا کے طبیعت پر غالب ہونے کا ذکر کیا ہے جس کے سبب زبان و کام ہرزہ گوئی پر راغب، ترک ننگ و نام بلکہ رسوائی خاص و عام پسند آئی۔ ہر کسی کو دشنام دینا شعار اور سنگ زنی کا روبر تھا۔ خان آرزو نے کہا کہ ”اے عزیز دشنام موزوں، دُعائے ناموزوں سے بہتر اور رخت کے پارہ کرنے سے تقطیع شعر خوش تر ہے۔ چونکہ موزوں طبیعت جو ہر ذاتی تھی، جو دشنام زبان تک آئی مصرع یا بیت ہو گئی۔ بعد اصلاح دماغ و دل کے مزاح شعر گوئی کا طبیعت پر رہا، کبھی

کبھی دو چار شعر جو خان آرزو کی خدمت میں پڑھے، پسند فرمائے اور تاکید شعر و سخن کی زیادہ سے زیادہ کی۔ ایک دن خان آرزو نے ان سے کہا کہ آج مرزا رفیع آئے اور یہ مطلع نہایت مہابت کے ساتھ پڑھ گئے۔ مطلع:

چن میں صبح جو اس جنگ جو کا نام لیا

صبا نے تیغ کا آب رواں سے کام لیا

میر صاحب نے اس کو سن کر بدیہہ یہ مطلع پڑھا:

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا

دل ستم زدہ کو اپنے تھام تھام لیا

خان آرزو فرطِ خوشی سے اچھل پڑے اور کہا خدا چشم بد  رکھے۔

سعادت خاں ناصر نے میر کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور چند واقعات بھی درج کیے ہیں جن سے میر کی شخصیت

اور فکر و فن کے زاویوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ یہاں دو واقعات نقل کرتا ہوں:

۱۔ جب سرکار نواب آصف الدولہ بہادر میں میر صاحب صیغہ شاعری میں نوکر ہوئے، ایک دن وہ آصف جاہ کتاب خانے میں جلوہ گر تھا اور دو اوین زیر و بالا رکھے ہوئے تھے۔ ایک جلد نواب نام دار کے ہاتھ سے دور تر تھی اور میر صاحب سے نزدیک (تھی)، فرمایا مجھے اٹھا دیجیے۔ میر صاحب نے ایک خدم (کذا) سے کہا سنو تمہارے آقا کیا فرماتے ہیں۔ نواب نے راست ہو کر اس کو اٹھا لیا مگر یہ مرزائی نہایت ناگوار خاطر ہوئی۔ بعد ایک لمحے کے فرمایا: ”کیوں میر صاحب مرزا رفیع السودا کیا شاعر الثبوت تھا۔“ میر صاحب نے کہا ”بچا، ہر عیب کہ سلطان بہ پسند ہنراست“ حضور پر نور نے کہا: ”ہم عیب پسند ہیں، یک نشہ دوشد“ اس میں میر محمد سوز صاحب کہ استاد جناب عالی کے تھے، واسطے مجرے کے حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا: ”کچھ، اپنے شعر پڑھو“ حسب الحکم میر سوز (صاحب) نے دو تین غزلیں اپنے دیوان میں سے پڑھیں۔ نواب فلک جناب نے تعریف میں ان کی مبالغہ فرمایا۔ میر صاحب کو (دلیری) میر سوز کی اور تعریف نواب کی بہت ناگوار گزری۔ میر سوز سے کہا: ”تمہیں اس دلیری پر شرم نہ آئی۔“ میر سوز نے کہا: ”صاحب بندہ کیا میں شاہجہان آباد میں بھاڑ جھونکتا تھا۔“ کہا ”بزرگی اور شرافت میں تمہاری کیا تاثر مل مگر رتبہ شعر میں میر سے کسی کو ہمسری نہیں۔ موقع اور محل تمہاری شعر خوانی کا وہ ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوں اور ہنڈکلیا پکتی ہو نہ کہ میر تقی کے سامنے میر سوز سے تو یہ کہا اور وہ شقہ کہ جو میر کی طلب کو حضور پر نور نے لکھا تھا، جیب سے نکال کر حضور کے آگے رکھ دیا اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ خانہ آباد دولت زیادہ“ نواب نام دار نے فرمایا: ”خدا حافظ“، (۳۷)

سعادت خاں ناصر نے میر کے جو اشعار بطور نمونہ نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک مقطع کے حوالے سے ایک واقعہ بھی

بیان کیا گیا ہے:

(۲) جدا جو پہلو سے وہ دلیر یگانہ ہوا

طش کی یاں تیں دل نے کہ درد شانہ ہوا

کھلا نشہ میں جو پگڑی کا پیچ، اس کے میر

سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا
(۴۹) فرماتے تھے کہ میں نے یہ مقطع میر سے سن کر یہ شعر فارسی کا پڑھا:

زفرط نشہ چو وا گشت طرہ بر دستار

سمند ناز ترا تازیانہ دیگر شد

(۵۰) میر صاحب نے کہا ”یہ دل و دماغ اور فرست و فراغ کسے ہے کہ اور کا کلام دیکھے۔“

اُردو تذکروں میں میر تقی میر کے ذکر سے میر کی شخصیت اور فکروں کے کئی پوشیدہ راز عیاں ہوتے ہیں۔ یہ بات صرف میر تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے شعرا کی تفہیم و تعبیر میں بھی یہ تذکرے معاون ہیں۔ خاص طور پر شعرا کے سوانحی حالات اور شخصی میلانات کے ذیل میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ یہاں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے کا حوالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے عموماً انھیں شعرا کی تفصیل دی ہے جن سے وہ ذاتی طور پر یا کسی دوست کے ذریعہ واقف تھے۔ اس کے برعکس جن سے وہ باخبر نہ تھے، ان کے متعلق اپنی لاعلمی کا صاف اظہار کر دیا ہے۔ ذاتی واقفیت جس کے بغیر سوانحی مواد میں جان نہیں آتی تذکرہ نگاروں کا اصل مآخذ ہے اور اس مآخذ کی بدولت معاصرین کی زندگی کے متعلق ان کی رائیں اس درجہ وقیع ہو جاتی ہے کہ ہم انھیں کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو میں تحقیق کی اکثر گھٹیاں انھیں تذکروں نے سلجھائی ہیں۔ مثال کے طور پر میر تقی میر کی شاعری داخلی طور پر صاف پتا دے رہی تھی کہ وہ کسی پری تمثال کے تیر عشق کے گھایل تھے، لیکن خارجی شہادت کے بغیر کسی میں ہمت نہ تھی کہ اس صوفی منش شاعر پر عشق بازی کی تہمت لگاتا۔ نتیجتاً دوسرے غزل گو شعرا کی طرح اُن کے رنگ مجازی کو بھی حقیقت کا ایک رُخ خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن جب ایک تذکرہ نگار نے میر کے متعلق یہ انکشاف کیا کہ:

”میر باپری شمتالے کہ از عزیز انش بود در پردہ عشق طبع میل خاطر داشت۔“

تو میر کی شاعری کا مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ اس کی شاعری زندگی سے فرار کا نتیجہ خیال کی جاتی تھی، لیکن تذکروں کے مطالعہ کے بعد اس کا ہر شعر زندگی کے مسائل میں گھٹا ہوا نظر آنے لگا۔“ (۵۱) احمد حسین سحر کے تذکرہ ”بہار بے خزاں“ کے حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے ہے کہ میر تقی میر کے معاشقے کا سراغ بھی ہمارے محققین کو اسی تذکرے سے ملا ہے:

”میر تخلص محمد تقی نام از اہل اکبر آباد خواہر زادہ سراج الدین علی خان آرزو ہم دوش مہ و شاں پری جلوہ
نکتہ دانی وہم آغوش دوشیزگان شوخ ادائے معانی است۔ دیوانہ طرز دلکش و دل آویز، آشفنیہ مضمون
عاشقانہ و درد انگیز، مجنون بہار حسن لیلایے دل فریبی، فراہ تلخ کام شیریں ادایان مجنون برشتہ جگر شمع
رویای ہم بستر ناکامی وہم یاس و حرماں بودہ۔ کلام شور انگیزش لخت دل و پارہ جگر تفتہ درد نان معنی آشنا
در آتش انداختہ و روزمرہ گفتگو بے ساختہ اولطف حسن بندش دیگران از دل ہا برداشتہ۔“ (۵۲)

یہ تمہید باندھنے کے بعد احمد حسین سحر لکھتے ہیں کہ:

”مشہور است کہ بہ شہر خویش باپری شمتالے کہ از عزیز انش بود در پردہ عشق طبع و میل خاطر داشتہ،
آخر عشق او خاصہ مشک پیدا کردہ می خواست کہ بخیہ بہ چار سونے رسوائی بہ شکند و حسن بے پردہ

بہ جلوہ گری درآید از نگ افشائیے راز وطن اقربا باد لے بغل پروردہ حسرت و حرماں و باخاطر ناشاد دست و گریباں قطع رشتہ حب وطن ساختہ۔ از اکبر آباد بعد از خانہ براندازی ہا بہ شہر لکھنؤ رسید و سنگ شکیبائی بہ رشتہ زدہ از آوارہ گردی ہا آرمید و ہمیں جا بہ صد حسرت جان کاہ جلاوطنی و حرمان نصیبی از دیدار یار و دیار جان بہ جهان آفرین داد۔ تا مقید رشتہ حیات بود طوقی مجتہد گردن و سلسلہ دیوانگی بہ یادداشت۔ از کلام عاشقانہ و درد انگیزش (پیداست) کہ صد آرزو بہ خاک برد چند مثنوی ہاوش دیوان ریختہ دارد و بہ فارسی ہم سلیقہ داشتہ۔ القصہ تا شیر کلام قیامت زائش تا شیرے دارد کہ ہچو خدنگ خارا شکاف از سینہ برون می جہد۔“ (۵۳)

”بہار بے خزاں“ حیات غالب میں لکھا گیا تذکرہ ہے۔ جو فارسی زبان میں ہے۔ تذکرہ نگار احمد حسین سحر نے بتایا ہے کہ غالب، ابتدا میں طرز بیدل کے پیرو ہونے کے باعث داشور پسند شاعر تھے۔ تاہم بعد ازاں نظیری کے مانند طرز خاص ایجاد کی گویا آسان زبان میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ احمد حسین سحر کی رائے ملاحظہ ہو:

”درین زمان بہ دار الخلافہ شاہ جہاں آبد سکہ بہ نامش می زند۔ دراوکل بہ مقتضای طبع و شوار پسند بہ طرز بیدل دقت آفرینی ہا در شعری کردہ و آخر براں طریقہ پشت پا زدہ ہم چو نظیری طرز خاص ایجاد کردہ دیوانے مختصر بعد از ترتیب و تکمیل مرتب ساختہ اشعار قابل انتخاب منتخب کردہ بہ حضور والا بس نزاکت بندان زانوے ادب تہہ می کنند۔ دریں زمانہ قدر سخن چوں آب گوہر ریختہ۔ از معتنمات است۔“ (۵۴)

کریم الدین ابن شیخ سراج الدین کے تذکرے کا نام ”طبقات الشعراء ہند“ ہے جس پر ایک انگریز ایف فیلن کا نام بھی درج ہے۔ اس تذکرے میں میر تقی میر کی غزل کے علاوہ دوسری اصناف میں دلچسپی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے غزل میں ان کے بلند مرتبہ ہونے کی بات کی گئی ہے:

”شعراں کا تمام شعراء سابقین اور متاخرین سے بے شک بہت اچھا ہے، تمام فنون نظم و نثر جانتا تھا۔ خصوصاً غزل اور مثنوی اس کی سب سے بہتر ہے۔ آج کے زمانے تک تمام شعرا اس کے اچھے ہونے میں شک نہیں کرتے، یہ شاعر واقع میں ایسا ہی ہے کہ اگر اس کو بادشاہ شعرا کا کہیں تو بجا ہے۔۔۔ میر کا قصیدہ اچھا نہ ہوتا تھا۔ قصیدہ میں سودا کو میر پر فوقیت ہے اور غزل میں میر کو سودا پر۔۔۔“ (۵۵)

فیلن اور کریم الدین نکات اشعار کو اردو کا پہلا تذکرہ نہیں مانتے اور کہتے ہیں نکات اشعار میں میر ہر ایک شاعر پر طعنہ آمیز گفتگو کرتا ہے اور چوری شعرا کی بیان کرتا ہے اور جو مقام غیر تحقیق یا معیوب عروض میں پاتا ہے، اس کو اصلاح دیتا ہے۔ (۵۶)

نصر اللہ خاں خوسرکی نے ”میر تقی میر کو سخیل بلغائے عظام فصیح فصحاء کرام، شاعر والا مقام در نظم و نثر ذوی الاحترام کے القاب سے یاد کیا ہے۔ انھوں نے میر کے طرز شعر گوئی کی تعریف کرتے ہوئے ان کے چند اردو شعر بطور حوالہ درج کیے ہیں۔“ (۵۷)

مجموعہ واسوخت منشی فداعلی عیش کا تذکرہ ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس تذکرے میں واسوخت جمع کرنے کے ساتھ ساتھ واسوخت نگاروں کے احوال بھی رقم کیے گئے ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد تذکرہ ہے۔ ایک موضوع سے متعلق ہونے کے باوجود اس تذکرے کے طاقچوں میں جامعیت کے چراغ روشن ہیں۔ اس میں میر کو بلبل ہند اور ملک اشعرا کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔^(۵۸)

اعتصام الدولہ مصنف میرزا کلب حسین خان بہادر، مبارز جنگ نادر کا تذکرہ ”تذکرہ نادر“ سید مسعود حسن رضوی ادیب نے مرتب کیا۔ یہ تذکرہ نادر، میر تقی میر کے بارے میں ایک آدھ ستر ہی لکھ پائے ہیں اور ایک غزل کے چار پانچ اشعار نقل کیے ہیں:

”مستند شعرائے ماضی و حال، استاد عدیم المثال سید محمد تقی اکبر آبادی شاگرد خواہر زادہ سراج الدین علی خان آرزو۔“^(۵۹)

مولانا محمد حسین آزاد کے تذکرہ ”آب حیات“ میں میر تقی میر کے بارے میں ملے جلی آرا پائی جاتی ہیں۔ آزاد کہیں میر کے مداح اور کہیں بے لاگ ناقد کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ انھوں نے میر کو معاصر شعرا کی محفل میں باتیں کرتے ہوئے بھی دکھایا ہے اور ان کی غیر موجودگی میں معاصرین کی آرا نقل کی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہر جگہ آزاد کا خاص اسلوب کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، ایک مثال ملاحظہ ہو: ”غزلوں کے دیوان اگرچہ رطب و یابس سے بھرے ہوئے ہیں مگر جو ان میں انتخاب ہیں وہ فصاحت کے عالم میں انتخاب ہیں۔ اُردو زبان کے جوہری قدیم سے کہتے آئے ہیں کہ ستر اور دو بہتر نشتر ہیں، باقی میر صاحب کا تبرک ہے، لیکن یہ بہتر کی رقم فرضی ہے، کیونکہ جب کوئی تڑپتا ہوا شعر پڑھا جاتا ہے تو سخن شناس سے مبالغہ تعریف میں یہی سنا جاتا ہے کہ دیکھو! یہ انھیں بہتر نشتروں میں سے ہے۔ انھوں نے زبان اور خیالات میں جس قدر فصاحت اور صفائی پیدا کی ہے، اتنا ہی بلاغت کو کم کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ غزل اصول غزلیت کے لحاظ سے سودا سے بہتر ہے۔“^(۵۸)

مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں جہاں جہاں میر سودا کا ذکر کیا ہے کہ وہ عبارت ”موازنہ میر و سودا“ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ آزاد، میر کے قصیدوں سے زیادہ رنگ غزل کے والا و شیدا ہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ مطالب کی دقت، مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کی شان و شکوہ، بندش کی چستی لازمہ قصائد کا ہے، وہ طبیعت کی شگفتگی اور جوش و خروش کا ثمر ہوتا ہے۔ اسی واسطے میر صاحب کے قصیدے کم ہیں اور اسی قدر درجے میں بھی کم ہیں۔ انھوں نے طالب سخن پر روشن کر دیا ہے کہ قصیدے اور غزل کے دو میدانوں میں دن اور رات کا فرق ہے اور اسی منزل میں آ کر سودا اور میر کے کلام کا حال کھلتا ہے۔^(۶۱)

مولانا محمد حسین آزاد نے مرزا محمد رفیع سودا کے ذکر میں ایک واقع بھی رقم کیا ہے: ”ایک دن لکھنؤ میں میر اور مرزا کے کلام پر دو شخصوں نے تکرار میں طول کھینچا۔ دونوں خواجہ باسط کے مرید تھے۔ انھیں کے پاس گئے اور عرض کی کہ آپ فرمائیں۔ انھوں نے کہا کہ دونوں صاحب کمال ہیں۔ مگر فرق اتنا ہے کہ میر صاحب کا کلام آہ ہے اور مرزا صاحب کا کلام واہ ہے۔ مثال میں میر صاحب کا شعر پڑھا:

سرہانے میر کے آہستہ بولو

ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

پھر مرزا کا شعر پڑھا:

سودا کی جو بالیں پہ ہوا شورِ قیامت
خدا مِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

لطیفہ در لطیفہ: ان میں سے ایک شخص جو مرزا کے طرف دار تھے۔ وہ مرزا کے پاس بھی آئے اور سارا ماجرا بیان کیا، مرزا بھی میر صاحب کے شعر کو سن کر مسکرائے اور کہا شعر تو میر کا ہے مگر داد خواہی اُن کی دوا معلوم ہوتی ہے۔“ (۶۲)

مولانا محمد حسین آزاد نے ”آبِ حیات“ میں میر تقی میر کے غرور اور بے دماغی کا ذکر کیا ہے۔ ان کی رائے میں یہ اگر فقط امرا کے ساتھ ہوتی تو معیوب نہ تھی: ”افسوس یہ ہے کہ اوروں کے کمال بھی انھیں دکھائی نہ دیتے تھے اور یہ امر ایسے شخص کے دامن پر نہایت بدنما دھبہ ہے جو کمال کے ساتھ صلاحیت اور نیکوکاری کا خلعت پہنے ہو، بزرگوں کی تحریری روایتیں ثابت کرتی ہیں کہ خواجہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جائے تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے، کسی اور کی کیا حقیقت ہے۔“ (۶۳)

آزاد، میر کی نیچر پسندی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ یہ انداز شعر گوئی پُر تاثیر ہے اور دلوں پر اثر کرتا ہے۔ آزاد، میر کے اس رنگ شعر گوئی کو اُجاگر کرتے ہوئے انھیں اُردو شاعری کا شیخ سعدی کہتے ہیں۔ آزاد کی رائے دیکھیے: ”زبان میں خدا نے ایسی تاثیر دی ہے کہ وہی باتیں ایک مضمون بن جاتی ہیں اسی واسطے ان میں بہ نسبت اور شعرا کے اصلیت کچھ زیادہ قائم رہتی ہے۔ بلکہ اکثر جگہ یہی معلوم ہوتا ہے گویا نیچر کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ دلوں پر بھی اثر زیادہ کرتی ہیں، وہ گویا اُردو کے سعدی ہیں۔“ (۶۴)

تذکرہ ”نکات اشعرا“ کے بارے میں صاحبِ آبِ حیات کی رائے بھی قابلِ غور ہے۔ اس معاملے میں آزاد کی رائے اُن تذکرہ نگاروں سے مختلف نہیں ہے جو میر کے ناقدین ہیں۔ ”نکات اشعرا“ میں میر کے لہجے کی تلقی کا بیان آزاد نے تلقی کے ساتھ ہی کیا ہے۔ آزاد کی رائے ملاحظہ ہو:

”نکات اشعرا، شائق کے لیے بہت مفید ہے۔ اس میں شعرائے اُردو کی بہت سی باتیں اس زمانے کے لوگوں کے لیے دیکھنے کے قابل ہیں۔ مگر وہاں بھی اپنا انداز قائم ہے۔ دیباچے میں فرماتے ہیں کہ یہ اُردو کا پہلا تذکرہ ہے۔ اس میں ایک ہزار شاعر کا حال لکھوں گا، مگر اُن کو نہ لوں گا، جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو۔ ان ہزار میں ایک بے چارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا۔“ (۶۵)

آزاد نے میر سے منسوب عطار والے قصے کی جانب اشارہ کرنے والے دو شعر نقل کرتے ہوئے ایک مقام پر بتایا ہے کہ محلے کے بازار میں عطار کی دکان تھی۔ آپ کبھی کبھی اس دکان پر جا بیٹھتے تھے۔ اس کا نو جوان لڑکا بہت بناؤ سنگھار کرتا رہتا تھا۔ میر صاحب کو برا معلوم ہوتا تھا۔ اس پر فرماتے تھے:

کیفیتیں عطار کے لونڈے میں بہت ہیں

اس نسخہ کی کوئی نہ رہی ہم کو دوا یاد

کسی وجہ سے طبیعت شکفتہ ہو گئی ہوگی جو فرماتے ہیں:

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں (۶۶)

ڈاکٹر عندلیب شادانی، آزاد کی رائے کو ان کی طبع زاد حکایت قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں مصرع ثانی میں اس نسخہ کی کوئی نہ رہی ہم کو دوا یاد، صاف طور پر چغلی کھا رہا ہے کہ میر صاحب کسی گزرے ہوئے واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ امتدادِ ایام کی وجہ سے انھیں اس نسخہ کی کوئی دوا تک یاد نہیں رہی تھی لیکن مولانا آزاد کا دعویٰ ہے کہ لڑکے کا بناؤ سنگار کرنا میر صاحب کو ناگوار گزرا۔ اس پر شعر کہا۔ حکایت گھڑتے وقت غالباً مولانا آزاد کو بھی اس اشکال کا احساس ہوا ہوگا۔ لہذا پہلے مصرع کے فعل ماضی کو فعل حال میں تبدیل کر دیا جس سے شعر بالکل ہی غارت ہو گیا۔ دراصل مصرع اولیٰ اس طرح ہے:

کیفیتیں عطار کے لونڈے میں بہت تھیں
(۶۷)

اور یہی ہونا بھی چاہیے ورنہ اختلافِ زمان کی وجہ سے دونوں مصرعوں میں ربط باقی نہ رہے گا۔ مولانا حکیم سید عبدالحی نے بھی اپنے تذکرہ شعراے اُردو موسوم بہ ”گل رعنا“ میں ”نکات الشعرا“ کی روشنی میں مولانا محمد حسین آزاد کے بیانات کی سختی سے تردید کی ہے ان کا کہنا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کی نظر سے ”نکات الشعرا“ نہیں گزرا نہ اس قسم کے مضامین جو ”آپ حیات“ میں لکھے ہیں کسی مستند ماخذ سے لیے گئے ہیں، صرف قصے کہانیوں پر ان کی بنیاد ہے یا بقول مولانا شروانی قیاس کی بلند پروازی نے طوطے بیٹا بنا کر اڑائے ہیں اور اپنی سحر بیانی سے سامعین کو خوش کیا ہے۔“ (۶۸) ڈاکٹر گیان چند نے بھی ”اُردو کی ادبی تاریخیں“ میں آزاد سے میر سے منسوب باتوں کو رد کیا ہے۔

مولانا حکیم عبدالحی نے مولانا آزاد کے میر کی بددماغی سے متعلق بیان سے بھی اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب اسی شخص پر مصیبت پڑتی ہے تو یارانِ صحبت میں سے ایک ایک کر کے پیوندِ زمیں اور کوئی آوارہ دشتِ غربت ہو جاتا ہے اور مرہٹوں کی دست برد سے ایک عالم آشوب ہنگامہ برپا ہوتا ہے، جس سے شہر میں خاک اُڑنے لگتی ہے، اس وقت اس کے پائے ثبات کو بھی لغزش ہوتی ہے وہ ایسے شہر میں وارد ہوتا ہے، جہاں نئے انداز، نئی تراشیں، بالکے ٹیڑھے جوانوں کو دیکھتا ہے، اُن کے مشغلوں کو دیکھتا ہے، ان کے جذبات و خیالات کو جانچتا ہے، ان کی طبیعتوں کی شوخی زبانوں کی طراری، تراشوں اور ایجادوں کے انوکھے پن سے سابقہ پڑتا ہے، پھر تم ہی کہو کہ اس بے چارے بڑھے پر تم پرانی لکیر کے فقیر کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ اس سے یہ شبہ نہ ہو سکتا ہوگا کہ وہ جرات اور انشا کی شوخیوں اور مرزا سعادت یار خاں کی جدت پسندی طبیعت کی رنگینیوں کو سن کر داغِ سخن دے اور تہقہوں کی آواز میں خود بھی آواز ملائے، اسی کو بددماغی کہہ لو یا نازک مزاجی، جس سے میر صاحب بھی واقف تھے۔ چنانچہ ایک محسن کے مقطع میں فرماتے ہیں:

حالات تو یہ محکو غموں سے نہیں فراغ دل سوزشِ درونی سے جلتا ہے جوں چراغ

سینہ تمام چاک ہے ، سارا جگر ہے داغ ہے نام مجلسوں میں مرا میر بے دماغ

از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

اگر جرأت و انشا کو تم خواجہ حافظ اور شیخ سعدی کا ہم زتبہ خیال کرتے ہو تو میر صاحب بے شبہ اس بات کے گنہگار تھے کہ وہ ان کی شوخیوں پر سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان میں فضل و کمال کے ساتھ خودداری نہ ہوتی تو ان

نوجوانوں سے پگڑی بچانا مشکل پڑ جاتا جن سے ایک بھانڈوں سے برابر کی چوٹ لڑ سکتا ہے اور دوسرے کی زلّ اور فحش ہجوؤں کا ایک ایک مصرع ہزار چٹّی اور چابک کا تراقا ہو، پھر ان کی بھی وہی گب ہنّی جو غریب مصحفی کی بن کر رہی۔^(۶۹)
ڈاکٹر گیان چند نے مولانا حکیم سید عبدالحی کی مذکورہ بالا آرا کی تائید کرتے ہوئے مولانا محمد حسین آزاد کے بیانات کو ان کی ”مرقع کشی“ کے زمرے میں شامل کرتے ہوئے اسے حقیقت سے پرے قرار دیا ہے۔^(۷۰)

میر نے نکات اشعرا کے دیباچے میں شعر میں ایہام کو پسندیدہ قرار نہیں دیا۔ وہ کلام میں خیال کو اہمیت دیتے اور صنائع بدائع کی موجودگی کو لازمہ سخن قرار دیتے ہیں۔ بیان کی صفائی، فصاحت اور بلاغت کی موجودگی کلام کو چارچاند لگا دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ان چیزوں کی پابندی کی ہے لامحالہ وہ دوسرے شعرا سے بھی اسی نوع کی توقع رکھتے ہیں اور جب ان کی یہ توقع پوری نہیں ہوتی وہ اپنی رائے کے اظہار کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ کلام میر یا معنی اور رس بھرے الفاظ سے عبارت ہے۔ چونکہ اصلاح زبان کسی ایک فرد کے بس کی بات نہ تھی سو میر دوسرے شعرا کو بھی اس قافلہ میں شامل ہونے کی دعوت اپنے فکر و فن کی عملی پیش کش کے ذریعے دے رہے تھے۔

”نکات اشعرا“ سے لے کر ”آپ حیات“ تک تذکروں میں میر کا ذکر اس کثرت کے ساتھ موجود ہے کہ اس پر بات کرنے کے لیے دفتر درکار ہے۔ ان کی آرا کی تائید اور تردید و مذمت دونوں ذائقے موجود ہیں۔ زبان کی لطافتوں، شاعری کی باریکیوں، ادبی گروہ بندیوں، معاصرانہ چشمکوں، جارحانہ اور مدافعانہ انداز و طریق، جیسے عوامل مل کر تذکروں میں دلچسپی کو دو چند کرتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں تذکروں میں ذکر میر کی چند مختلف النوع مثالوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تمام تر احترامات کے باوجود تذکرہ نگاروں نے جہاں محسوس کیا ہے کہ میر کا لہجہ زیادہ کاٹ دار ہو گیا ہے، یا اُن کے تئیں انصاف کی ترازو کے دونوں پلڑے متوازی نہیں رہے؛ وہ اپنی رائے دینے میں عار محسوس نہیں کرتے، ان تذکروں میں میر کو ایک طرف پھول پیش کیے گئے تو دوسری جانب ان پر پتھر بھی برسائے گئے ہیں۔ میر کی تذکرہ نگاری کی پیروی کرنے والے بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں اور الگ راہیں تلاش کرنے کا فطری رجحان بھی ملتا ہے۔ کسی نے میر کی شاعری کو ان کے ذاتی مسائل کا غماز کہا ہے تو کسی نے ان کے ہاں عالمگیریت اور تنوع کی دُنیا میں دریافت کی ہیں۔ یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اُردو تذکروں میں جس شاعر کو سب سے زیادہ زیر بحث لایا گیا ہے۔ وہ میر تقی میر ہیں۔ ان واقعات سے میر کی عظمت فن کے ساتھ ساتھ شخصیت کی پر تیں بھی کھلتی نظر آتی ہیں۔ میر تقی میر شاعر سے موزونی طبع کے علاوہ قدرت کلام، لطف زبان، سادگی اور صفائی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اسی بات کو انھوں نے اپنے تذکرہ ”نکات اشعرا“ میں باندازِ دگر دہرایا ہے۔ معاصر شاعروں پر ان کی تنقید کا بڑا سبب ان کا یہی نظریہ شعر بھی تھا۔ دراصل میر، سخن گوئی کے میدان میں ایک بلند مقام پر کھڑے تھے اور اسی بلند مقام پر کھڑا ہو کر معاصر شعرا اور ان کے کلام پر نگاہ دوڑاتے تو انھیں بیشتر شعرا اپنے مقابلے میں بونے اور ان کا کلام کمزور اور بے رتبہ دکھائی دیتا تھا۔ میر نے ”نکات اشعرا“ میں نقد و نظر کا جو معیار قائم کیا آج کی ترقی یافتہ تنقید (جو مغربی تنقید سے بھی متاثر ہے) میر ہی کی رہین منت اور اسی کا تسلسل ہے۔ میر شاعری کے امام اور تذکرہ نگاری میں رہبرِ اولیں کا درجہ رکھتے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

- ۱۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر: نقد میر، لاہور: مکتبہ خیابانِ ادب، طبع سوم، ۱۹۶۸ء، ص ۳۹
- ۲۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر: شعرائے اُردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۲ء، ص ۲۸-۲۷
- ۳۔ وحید قریشی، ڈاکٹر: تجزیہ تذکرہ گلستانِ سخن، جلد اول، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۳
- ۴۔ شعرائے اُردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، ص ۲۰
- ۵۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: معیارِ شعر و سخن، مشمولہ ماہنامہ نگار، کراچی، انتقاد نمبر، ۱۹۴۶ء، ص ۶۹
- ۶۔ مسیح الزماں: اُردو تنقید کی تاریخ، الہ آباد: خیابان، ۱۹۵۴ء، ص ۹۵
- ۷۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۷۲ء، ص ۱۱۷
- ۸۔ حسینی، فتح علی: دیباچہ تذکرہ ریختہ گویاں، ص ۳ بحوالہ اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۱۱۷
- ۹۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۱۹-۱۱۸
- ۱۰۔ تذکرہ ریختہ گویاں، ص ۱۴۶ بحوالہ اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۱۲۰
- ۱۱۔ شعرائے اُردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، ص ۳۴
- ۱۲۔ ایضاً ص ۳۶-۳۵
- ۱۳۔ قائم چاند پوری: دیباچہ مخزنِ نکات، مرتبہ: ڈاکٹر افتداحسن، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۰۲
- ۱۴۔ ایضاً ص ۲۰۱
- ۱۵۔ ایضاً ص ۱۷۶
- ۱۶۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی اُردو تذکروں کے احوال پر مبنی کتاب اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۲۸-۶۲
- ۱۷۔ مخزنِ نکات، ص ۲۲-۱۲۱
- ۱۸۔ شفیق، کبھی نرائن: تذکرہ چمنستانِ شعرا، ص ۳-۲ بحوالہ: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۱۴۰
- ۱۹۔ اُردو شعرا کے تذکرہ اور تذکرہ نگاری، ص ۱۴۱
- ۲۰۔ شفیق، کبھی نرائن: تذکرہ چمنستانِ شعرا، ص ۱۶۱ بحوالہ: کلاسیکی ادب، مصنف: خواجہ احمد فاروقی، دہلی: آزاد کتاب گھر، بار اول ۱۹۵۳ء، ص ۵۷
- ۲۱۔ تذکرہ چمنستانِ شعرا
- ۲۲۔ شوق، قدرت اللہ: تذکرہ طبقاتِ الشعرا، مرتبہ: ثناء احمد فاروقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۶۸ء، ص ۲۰۶
- ۲۳۔ ایضاً ص ۷۷
- ۲۴۔ قدرت اللہ شوق نے انعام اللہ یقین کا ایک شعر نقل کیا ہے:

کیا بدن ہو گا کہ جس کے کھولتے جامے کا بند
برگِ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

اس شعر کے حوالے سے شوق لکھتے ہیں کہ اگر در شعر ابتذال جائز داشتہ اند فاما این بیت لفظاً لفظاً ترجمہ شعر اندرام مخلص است کہ می گوید:

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بنہ قبائے کیست کہ دانی کنیم ما

خدا داند کہ در واقعہ از کیست (تذکرہ طبقات الشعراء، ص ۷۷)

۲۵۔ فاروقی، ثار احمد: مقدمہ تذکرہ طبقات الشعراء، ص ۶۶

۲۶۔ تذکرہ طبقات الشعراء میں اکرام اللہ محشر، جس کا تعلق بدایوں سے تھا، کے دو شعر لکھے ہیں:

بہار آئی ہے اے ساقی مئے گلگوں پلا ظالم
مغنی تو بھی ہاں تک ساز عشرت کا بجا ظالم
بچا سکتا ہے کوئی جان کو کیوں کر جو رکھتا ہو
فلک سا دشمن بے رحم تجھ سا آشنا ظالم

دوسرے شعر کے مصرع ثانی پر شوق نے یہ اصلاح دی ہے کہ اگر بجائے بے رحم برائے مناسبت فلک لفظ بے مہر

باشد این شعر با سائل رسیدے، اسی طرح ص ۱۳۶ پر سودا کا ایک شعر نقل کیا ہے:

غنچے کو مسکرا کے اُسے زار کر چلے
زگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

اس شعر کے بارے میں شوق لکھتے ہیں کہ مطلع نہایت مربوط، اما در فہمید این نا فہم لفظ ”اُسے“ کہ در مصرعہ اول

واقع است، بیکار محض معلوم می شود، واللہ اعلم (تذکرہ طبقات الشعراء، ص ۲۶۵)

۲۷۔ میر حسن: تذکرۃ الشعراء اُردو، ص ۸۵ بحوالہ، اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۱۵۳

۲۸۔ میر حسن: تذکرۃ الشعراء اُردو بحوالہ، مشرقی شعریات اور اُردو تنقید کی روایت، مصنف: ابوالکلام قاسمی، لاہور: مغربی

پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۵

۲۹۔ ابوالحسن، امیرالدین احمد امرا اللہ: تذکرہ مسرت افزا بحوالہ اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۱۷۸

۳۰۔ مصحفی: غلام ہدائی: عقد ثریا، مرتبہ: مولوی عبدالحق، اورنگ آباد: انجمن ترقی اُردو، طبع دوم، ۱۹۷۸ء، ص ۹۵

۳۱۔ ایضاً ص ۹۵

۳۲۔ ایضاً ص ۹۶

۳۳۔ مصحفی، غلام ہدائی: تذکرہ ہندی، مرتبہ: مولوی عبدالحق، اورنگ آباد: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۳۳ء، ص ۲۰۴

۳۴۔ ذکا، خوب چند: تذکرہ عیار الشعراء، بحوالہ: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۲۰۵-۰۶

۳۵۔ علی لطف، میرزا: تذکرہ گلزار ابراہیم مع گلشن ہند، ص ۱۰-۲۰۹ بحوالہ، اُردو تنقید کی تاریخ، ص ۱۱۶

۳۶۔ ایضاً ص ۱۱۶

۳۷۔ علی لطف، میرزا: گلشن ہند، بحوالہ مقدمات عبدالحق، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، لاہور: اُردو مرکز، ۱۹۶۴ء، ص

- ۳۸۔ قاسم، قدرت اللہ: مجموعہ نغز، مرتبہ: حافظ محمود شیرانی، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۳۳ء، ص ۲۳۰
- ۳۹۔ ایضاً ص ۳۱-۲۳۰
- ۴۰۔ آزاد، مولانا محمد حسین: آپ حیات، لاہور: مکتبہ اُردو، ۱۹۶۷ء، ص ۱۳۹
- ۴۱۔ مجموعہ نغز، ص ۵۶-۱۵۵
- ۴۲۔ ایضاً ص ۲۳۰
- ۴۳۔ شیفیتہ، نواب محمد مصطفیٰ خاں: تذکرہ گلشن بے خار، مرتبہ: کلب علی خان فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء، ص ۵۷۱
- ۴۴۔ ایضاً ص ۵۷۱
- ۴۵۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کی مرتبہ کلیات میر (اُردو مرکز، کراچی ۱۹۵۸ء) میں میر کا یہ شعر یوں لکھا ہوا ہے:
- ہمارے آگے ترا جب کسوں نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا (دیوانی اول، ص ۱۱۴)
- ۴۶۔ ناصر، سعادت خان: تذکرہ خوش معرکہ زیبا، جلد اول، مرتبہ: مشفق خواجہ، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء، ص ۱۳۰
- ۴۷۔ ایضاً ص ۱۳۴
- ۴۸۔ کلیات میر (مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی) میں شعر اس طرح ہے:
- کھلا نشہ میں جو پگڑی کا پیچ، اس کی میر
سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا (دیوانی اول، ص ۱۵۳)
- ۴۹۔ مراد مرزا محمد حسن مذنب عرف چھوٹے مرزا صاحب ہیں، جو سعادت خان ناصر کے شاعری میں استاد تھے۔ خوش معرکہ زیبا جلد اول میں ناصر نے اپنے استاد کا مختصر مگر جامع ذکر کیا ہے اور ان کے انتقال پر قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے۔
- ۵۰۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا، جلد اول، ص ۱۳۶
- ۵۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۸۸
- ۵۲۔ سحر، احمد حسین: تذکرہ بہار بے خزاں، ص ۹۹ بحوالہ، اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۳۵۱
- ۵۳۔ ایضاً ص ۳۵۱
- ۵۴۔ ایضاً ص ۳۵۰
- ۵۵۔ کریم الدین، مولوی، ایف، فیلن: طبقات الشعراء ہندوچ، ص ۱۶-۱۱۵، بحوالہ اُردو تنقید کی تاریخ، ص ۱۶۸
- ۵۶۔ ایضاً ص ۱۶۲
- ۵۷۔ خوشگئی، نصر اللہ خان: گلشن ہمیشہ بہار، مرتبہ: ڈاکٹر محمد اسلم فرخی، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۶۷ء، ص ۳۰۶

۵۸۔ عیش، منشی فدا علی: مجموعہ واسوخت، بحوالہ، اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۴۷۰

۵۹۔ نادر، میرزا کلب حسین، مرتبہ: سید مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ: کتاب نگر، ۱۹۵۷ء، ص ۱۵۴

۶۰۔ آبِ حیات، ص ۱۷۵

۶۱۔ ایضاً ص ۱۷۵

۶۲۔ ایضاً ص ۱۳۹

۶۳۔ ایضاً ص ۲۱۷ (حافظ محمود شیرانی ”مجموعہ نغز“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا آزاد نے تخیل سے کام نہیں لیا، ان کی عبارت کا اصل ماخذ حکیم صاحب (قدرت اللہ قاسم) کا یہ فقرہ۔ ”از نخوت و خود سریش چہ برنگارم کہ سینہ قلم حقایق رقم می نگار و بر شعر کے گر ہمہ اعجاز اب شد و کلام شیخ شیراز سر ہم نمی جنیاندا تا بہ تحسین خود چہ رسد و بہ سخن احدے اگر چہ معجزہ طرازی بود و گفته ابلی شیرازی گوش ہم فرامی دارد، امکان چست کہ حرف آفرین ہر زبانش رود۔“

(مجموعہ نغز ص ۳۲۰)

۶۴۔ آبِ حیات ص ۱۷۸

۶۵۔ ایضاً ص ۱۷۸

۶۶۔ ایضاً ص ۱۸۵

۶۷۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر: تحقیقات، بریلی: جلیل اکیڈمی، بار اول ۱۹۵۰ء، ص ۶۹-۱۶۸

۶۸۔ سید عبدالحی، مولانا: گلِ رعنا، اعظم گڑھ: مطبع معارف، طبع چہارم، ۱۳۷۰ ہجری، ص ۶۳-۱۶۱

۶۹۔ ایضاً ص ۱۶۴-۶۶

۷۰۔ گیان چند، ڈاکٹر: اُردو کی ادبی تاریخیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۹